Vol. 6 No.2 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"دست تہ سنگ"، "سرِ وادیٔ سینا" اور "شام شہر یاراں" کی مزاحمتی شاعری کا تحقیقی جائزہ

A RESEARCH REVIEW OF THE RESISTANCE POETRY OF "DAST TEH SANG",) (.""SAR-E WADEE SINA" AND "SHAM SHAHRYARAN

•عبدالرشاد

•افشاں جبین

•حمیرا

ABSTRACT

"DASTE TEHE SING", "SARE WADEE SEENA" and "SHAM-E-SHEHRE YAAERAN" Poetry based on resistance and revolution is the main objective of this article. The socio political background that depicts about the big wheels or deep state politics is here in this research for the purpose to understand the spirit of the sane voice in form of Faiz that support the great cause of the equal distribution of resources. All sorts of oppressions and dictatorship that snatch freedom of life and expressions are challenged here in form of these poetic creations mentioned above. The research article says about the revolutionary poetry of Faiz that cover a period of seventeen years (1960-1977) where Pakistan observed General Ayub Martial law, General Yahya dictatorship. East Pakistan Tragedy and democracy in form of Zulfiqar Ali Bhutto who was assassinated during Zia Ul Haq Martial law because of the USA interest in the era of cold war.

Key words:
(1)DASTE TAHE SANG (2) SARE WADE-E-SEENA (3) SHAM-E-SHERE YAARAN (4) Revolution (5) Cold war (6) Resistance (7) Proletariat (8) Socio political

سیاسی و سماجی پس منظر میں فیض کے مجموعہ ہائے کلام:

یہ تحقیقی مطالعہ ان اسباب و علل کے تناظر میں فیض کی انقلابی یا مزاحمتی شاعری کا تحقیقی جائزہ ہے جہاں فیض استحصالی نظام کے درپردہ مقاصد کو جو وسائل پر قبضے اور ایک محدود منظم طبقے بور ژوا کی طاقت کو استحکام دینا ہوتا ہے؛ سامنے لاکر طبقاتی نظام کے عفریت اور طاقت کے استعمال کے سامنے مزاحمت کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ فیض کے ان مجموعہ ہائے کلام کو مارشل لاء آمریت کے تناظر میں مطالعہ کرنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر جمہوری رویوں اور ارباب حل و عقد کی ناعاقبت اندیشی نے ملک کو دولخت کر کے بربریت کی انتہا کر دی۔

ان مجموعوں کا مطالعہ گویا کارل مارکس کی تخلیقات "سرمایہ" اور جُدلیاتی مادیت" کے اس شعور تک رسائی ہے جس کے ذریعے آمریت، وسائل پر قبضے اور استحصال کو دوام بخشنے والی قوتوں کا قلع قمع کر کے مخلوق خدا کو وسائل سے استفادے کا حق ملتا ہے۔ 17 اکتوبر 1958ء کا مارشل لاء جس کے ذریعے جنرل ایوب خان نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے آنے والے انتخابات کو "ایبڈو" یعنی الیکٹو باڈیز ڈسکوالیفیکیشن اور "پوڈو" یعنی پبلک آفسز ڈسکوالیفیکیشن کے ذریعے اپنے حریفوں کے خلاف استعمال کر کے حکومتی مشینری کی مدد سے محترمہ فاطمہ جناح کو ہرا کر ایک طویل مدت تک برسر اقتدار رہے۔ جنرل ایوب کے دور میں پاک بھارت جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے سبط حسن لکھتے ہیں:

> "ایوب خان کو الیکشن جیتنا تھا سو وہ جیت گئے۔ مگر معاشرتی زندگی کے جس تضاد کی جانب فیض نے اشارہ کیا تھا۔ وہ ایوب خان کو لے ڈوبا۔ نصرت و فتح کے شادیانے بج رہے تھے کہ ایک مقرب خاص نے ان کو بوٹی

•ایسوسی ایٹ پروفیسر اُردو، ہائیر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ

•لیکچرار، شعبہ اردو، ملاکنڈ یونیورسٹی

•اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، اسلامیہ کالج پشاور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سنگھائی کہ جواہر لال نہرو کی وفات کے بعد اب کشمیر پر قبضہ کرنا مشکل نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔ایوب خان کو یہ بھی باور کرایا گیا کہ ہندوستان جوابی کارروائی میں سرحد عبور کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ لیکن جب ہندوستانی فوج واہگہ بارڈر پار کرکے لاہور کے قریب آگئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی تو اس جنگ سے نہ صرف ایوب خان کی ہوا اکھڑ گئی بلکہ پاکستان کو شدید جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔"(1)

اس جنگ کے باعث جن پانچ سالہ منصوبوں کے ذریعے ملک کی ترقی کے اہداف کو حاصل کرنا تھا؛ تشنہ تکمیل رہے اور ملکی وسائل کا رُخ عساکر پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا۔"پوڈو" اور "ایبڈو" نے پہلی دفعہ حقیقی سائنسدانوں کی جگہ ایسے سیاست دانوں کو موقع دیا جن کی حیثیت حکومتی اہلکاروں کی سی رہی اور یہی وجہ تھی جس کے باعث فوج پیشہ ورانہ کاموں سے بڑھ کر تجارتی کاموں میں داخل اندوزی کی طرف مائل ہو گئے۔

فوجی فاؤنڈیشن، ٹیکسٹائل فیکٹریاں، زرعی زمینوں کی الائمنٹ اور مواصلات میں فوج کے عمل دخل کو عائشہ صدیقہ کے اس بیان کے ذریعے سمجھنا آسان بنا جاتا:

"ایسی فوج جو گہرے معاشی مفادات پیدا کرلیتی ہیں یا معیشت میں اپنی موجودگی کو مضبوط کرلیتی ہیں۔ سیاسی کنڑول کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ درحقیقت رجحان یہ ہوتا ہے کہ ریاست اور سوسائٹی میں ادارے کی اجارہ داری قائم کی جائے۔ پاکستان، انڈونیشیا اور ترک کے معاملے میں فوج کا اِدارہ دارانہ کنڑول واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔"(2)

1965ء کی جنگ کے دوران پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایک پیچیدہ دور سے دوچار ہوئے۔ ایک طرف یہ احساس پیدا ہونا کہ امریکہ کسی بھی وقت مدد کرنے سے پیچھے ہٹ سکتا ہے اور دوسری طرف ملک میں عسکری قوتوں کو پنپنے کا موقع دے کر وہ وقت بھی دیکھنے کو ملا جب ان قوتوں کا رخ بعد میں ریاستی اداروں کی طرف مڑا۔

25 مارچ 1969ء کو جنرل ایوب خان غیر مقبول لیڈر کی صورت اس وقت برطرف کردیے گئے جب جنرل یحییٰ خان کی شکل میں ملک ایک اور مارشل لاء کے منہ میں دھکیلا گیا۔ جنرل یحییٰ خان تین سال بے آئین حکمران رہنے کے باوجود جس شفاف انتخاب کے ذریعے سیاسی جماعتوں کی پوزیشن واضح کر گئے اس کا حال صدیق مالک اس طرح بیان کر گئے ہیں:

"عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں 162 میں سے 160 نشستیں جیت کر زبردست معرکہ مارا۔ مگر مغربی پاکستان میں ایک بھی سیٹ حاصل نہ کر سکی۔ اس طرح ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں 138 میں 81 نشستیں جیت کر پورے مغربی بازو میں اکثریت حاصل کرلی مگر مشرقی بازو میں ایک بھی امیدوار کھڑا نہ کر سکی۔"(3)

عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے درمیان سمجھوتہ نہ ہونے کے باعث جب مشرقی پاکستان میں "مکتی باہنی" کے ساتھ ملے طلبہ اور لوگوں کے خلاف آرمی ایکشن کے مقابلے میں ہندوستانی فوج نے کود کر پاکستان کو ایک بڑے سانحے سے دوچار کردیا۔

بنگلہ دیش کے جدا ہونے کے اسباب وعلل کا تذکرہ کرتے ہوئے قیوم نظامی لکھتے ہیں:

"مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے عوام نے پاکستان میں پرجوش حصہ لیا۔ پاکستان کے ساتھ ان کی وابستگی بڑی جذباتی اور مستحکم تھی مگر وہ چھ (6) نکات پیش کرنے پر مجبور ہو گئے۔ 1947ء سے 1869ء تک 22 سال میں مشرقی پاکستان میں ایک چیف سیکرٹری بھی بنگالی نہیں تھا۔ بنگالیوں پر اردو زبان مسلط کرنے کی کوشش کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

گئی۔ مغربی پاکستان کی اسٹیبلیشمنٹ نے مشرقی پاکستان سے کالونی جیسا سلوک کیا۔ 1947ء سے 1971ء تک مشرقی پاکستان کے 15 گورنر نامزد ہوئے جن میں 13 کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔"(4)

ذوالفقار علی بھٹو نے 22 ستمبر 1971ء کو جمہوری کابینہ تشکیل دیتے ہوئے ایک طرف "شملہ معاہدہ" کے ذریعے جنگی قیدیوں اور مقبوضہ آراضی کو پاکستان کا حصہ بنایا تو سب سے بڑھ کر جس اقدام نے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کی پذیرائی سے نوازا وہ 1973ء کا آئین ہے۔ صدر کے اختیارات کو محدود کر کے پارلیمانی طرز حکومت اور آئین منسوخ کرنے والے کو غدار کے زمرے میں شمار کیا جانے لگا۔ روٹی، کپڑا، مکان جیسے مقبولہ نعرے کے ذریعے اور کرشماتی شخصیت ہونے کے باعث بھٹو عوام کے دلوں میں بس گئے۔ فروری 1974ء کو اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے ذریعے جب آپ امت مسلمہ کو وسائل کی صورت میں ان کی عظمت کا احساس دے کر مسلم دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئے تو مغربی دنیا اور سرمایہ دارانہ نظام کا مرکز امریکہ نے ان کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ 7 مارچ 1977ء کو ملک میں قومی اور 10 مارچ کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کے عمل کے نتیجے میں بھاری اکثریت سے فتح حاصل کی جب کہ "متحدہ محاذ" کی 9 جماعتوں نے 200 میں سے صرف 36 نشستیں ہی جیت لیں۔

قومی اتحاد کے بائیکاٹ کے باعث پیپلز پارٹی بلاشرکت غیرے صوبائی نشستوں پر بھی کامیابی حاصل کر گئی لیکن "تحریک نظام مصطفی" کے ذریعے ہنگاموں اور توڑ پھوڑ کرا کر اس انتخاب کو دھاندلی زدہ انتخاب ٹھہر گیا اور 5،6 جولائی 1977ء کی رات بھٹو کو ہراساں کر کے ملک کو جنرل ضیاء الحق کی صورت بدترین مارشل لاء سے دوچار ہونا پڑا۔

امریکہ روس سرد جنگ میں سرمایہ دارانہ نظام کی بقا کے لئے جنرل ضیاء الحق کے دور میں عسکریت کو پروان چڑھایا گیا۔ عوامی رہنما ذوالفقار علی بھٹو جس مقدمے کی بنیاد پر پھانسی کی سزا سے دوچار کر دیے گئے؛ اس کا حال سارکی اس تحریر سے واضح ہے:

"مارشل لاء کی وجہ سے ملک افراتفری کا شکار تھا مگر جب بھٹو پر احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں مقدمہ چلا کر انہیں 4 اپریل 1979ء کو پھانسی دی گئی تو ملک میں مزید افراتفری پھیل گئی۔ 3 اور 4 اپریل کی درمیانی شب تقریباً 2 بجے بھٹو کو پھانسی دی گئی۔"(5)

فیض کے مجموعے "دست تہہ سنگ"، "سر وادی سینا" اور "شام شہر یاراں" مزاحمت اور انقلاب کی وہ تجسیمی صورتیں ہیں جن کے ذریعے انہوں نے مارشل لاء دور کے ہر غیر انسانی اور ظلم پر مبنی رویوں اور اہل قلم کی وفاداریاں بدلنے کو طنز و تعریض کے لبادے میں پیش کر کے اس کے خلاف جدوجہد کو زندگی کا حاصل جانا۔ جنرل ایوب کی آمریت کے لئے سب سے بڑا خطرہ نظام کو سمجھنے والے وہ اذہان رہے جو فیض کی صورت انقلاب کے لئے راستہ ہموار کر سکتے تھے۔

دست تہہ سنگ کی شاعری کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر صلاح الدین حیدر کی تحریر کا یہ حوالہ ضروری بن جاتا ہے؛ لکھتے ہیں:

"دست تہہ سنگ" فیض کے ان گوناگوں مشاہدات، احساسات کی تصویروں کا مرقع ہے جو راولپنڈی سازش کیس سے رہائی کے بعد اس کے تجربات کا حصہ ہے۔ اس دور میں پاکستان سیاست پر سامراجی عسکریت پسندی نے مارشل لاء کے عنوان سے ایک شب خوان مارا۔ فیض نے اس دور میں پاکستان ٹائمز اور امروز کی ادارت بھی کی اور اس حوالے سے چین کی سیر کا موقع ملا۔ ایفروایشیائی ادیبوں کی کانفرنس کے سلسلے میں باہر گئے۔ ماسکو اور برطانیہ جانے کا بھی موقع بہم ہوا۔ اخباری زندگی میں دوستوں کی لاتعلقی اور بے مروتی سے کچھ مایوسی کا دور بھی آیا۔ مارشل لاء کے باعث ایک بار پھر جیل جانا پڑا اور اس سے بھی ایک قدم آگے شاہی قلعہ کے تفشیشی سیل میں بھی منتقل ہونا پڑا۔ یہ سب منظر نامے فیض کی دستِ تہہ سنگ کی شاعری میں موجود ہیں۔"(6)

نظم "دست تہہ سنگ" اس در پۓ آزاد اور بیزار فضا یعنی مارشل لاء کے گھٹن کا تذکرہ ہے جہاں تعزیرات سیاست کے ذریعے توانا اور انسان دوست آوازوں کو خاموش کیا جاتا ہے۔ فیض دعویٰ گرفتاری الفت کی خاطر انقلابیوں سے پیمان وفا کی امید باندھ کر ہراساں ہونے کی بجائے عزم اور منزل کے حصول کے لئے سر گرم عمل دیکھنا چاہتے ہیں۔

مارشل لاء دور میں وفاداریاں بدلنے والوں کو آزادی اور انسانی حقوق کے حصول کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خیال کرتے ہوئے اپنی مزاحمت کو تعریض کے لبادے میں یوں پیش کر گئے ہیں:

"میخانوں کی رونق ہے، کبھی خانقھوں کی
اپنالی ہوس والوں نے جو رسم چلی ہے
دلداری واعظ کو ہمیں باقی ہے ورنہ
اب شہر میں ہر رندِ خرابات ولی ہے۔"(7)

نظم "تم یہ کہتے ہو اب کوئی چارہ نہیں" کے ذریعے فیض انقلابیوں کو مصلحت اور حزیں خاموشی کی جگہ شور آواز حق اور نعرہ گیر ودار کی طرف مائل کر کے ہر استحصالی اور انسان دشمن نظام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ فیض کے ہاں اس مزاحمتی رنگ کو نظم "شورش زنجیر بسمہ اللہ" میں اور بھی تحریک ملتی ہے جب شاہی قلعے میں پابند سلاسل ٹھہرانے پر آپ کے نغموں میں موجود انقلاب خوف و دہشت کے ان حوالوں سے گھبرانے کی بجائے آپ ایک جشن کے طور پر مناتے نظر آتے ہیں۔ جس نظم کے اندر فیض اپنے بھرپور رجزیہ انداز میں دست قاتل اور حاکم شہر کے تسلط کے خلاف "رخت دل" اور "جرات رندانہ" کی قربانی کے باعث ایک روشن صبح کے متمنی نظر آتے ہیں وہ "آج بازار میں پابجولاں چلو" ہے۔

خلق خدا کی کلفتوں کا مداوا اور صبح ناشاد کی بیخ کنی اس صورت ممکن ہے جب حاکم شہر کی اجارہ داری ختم ہو۔

"آج بازار میں پابجولاں چلو"
چشم نم، جان شوریدہ کافی نہیں
تہمت عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پابجولاں چلو
دست افشاں چلو، مست ورقصاں چلو
خاک برسر چلو، خوں بداماں چلو
حاکم شہر بھی، مجمع عام بھی
تیر الزام بھی، سنگ دشنام بھی
صبح نشاد بھی، روزنا کام بھی
ان کا دمساز اپنے سوا کون ہے
رخت دل باندھ لو دل نگارو! چلو
پھر ہمیں قتل ہو آئیں یارو! چلو(8)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

"ملاقات میری" اور "ختم ہوئی بارش سنگ کے ذریعے فیض نے کامریڈ حسن ناصر کے نظریاتی عشق کو بیان کر کے نطق بندی اور دہشت عام کرنے والی استحصالی نظام کا پردہ چاک کیا ہے۔ ہر طرح کی اذیت سہنے کے باجود قافلہ درد کا یہ عظیم پیکر عزم اور استقلال کے راستے پر گامزن ہو کے رہ نوردانِ عشق کے قافلے کا امام ٹھہرتے ہیں۔ ان کی قربانی کو فیض جبر و استحصال کے خلاف اس پرچم کے مصداق ٹھہراتے ہیں جس کا راستہ روکنا طاقت کے بس سے باہر ہے۔ فیض کا جو قطعہ ان کی زندگی کا حاصل اور ارباب اقتدار کی مصلحت کوشی اور نہ ختم ہونے والی ہوس کا نچوڑ ہے اس کا حوالہ یہاں ضروری بن جاتا ہے:

ہم خستہ تنوں سے محتسبوں کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشتِ خاک جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرت مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا، لو جام الٹائے دیتے ہیں۔"(9)

غزلوں میں بھی علامتی اور استعاراتی پیرائیہ اظہار کے ذریعے سامراج اور استحصال کے ہر مکروہ چہرے کی نفی اور انسانیت کے علمبردار عظیم آوازوں کو امر بنادیا ہے۔ بھٹو جیسے عوامی رہنما کی موت کو انہوں نے عظیم رزمیہ ہیرو کے طور پیش کر کے طاقت کے ہر حوالے کی بخیاں اُدھیڑتے نظر آتے ہیں:

"مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفت دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلادیا
جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یاد گار بنادیا۔(10)

فیض کی شاعری کا مجموعہ "سرِ وادی سینا" ایوب خان کی امریت اور اقتدار کو طول دینے کے لئے بنیادی جمہوریت (Basic Democracy) جیسے نظام کو استحکام بخشنے کے سیاسی پس منظر میں مطالعہ ہمارے لئے اس مزاحمتی شاعری کی تہہ تک رسائی کو آسان بنادیتا ہے۔ مجموعے کا "انتساب" ایک طرح انسانی حقوق کے منشور کو وضع کرتا ہے جس میں بین السطور یہ پیغام ملتا ہے کہ سرمایہ دارانہ استحصالی عناصر کے ہوتے ہوئے کبھی بھی بہتر مستقبل کا نہیں سوچا جاسکتا۔

انتساب
آج کے نام
اور آج کے غم کے نام
آج کا غم کہ ہے زندگی کے بھرے گلستاں سے خفا
زرد پتوں کا بن
زرد پتوں کا بن جو مرا دیس ہے
کلرکوں کی افسردہ جانوں کے نام
پوسٹ مینوں کے نام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

تانگے والوں کے نام

ریل بانوں کے نام

کارخانوں کے بھوکے جیالوں کے نام

بادشاہ، جہاں، والئی ماسوا، نائب اللہ فی الارض دہقان کے نام

پڑھنے والوں کے نام

وہ جو اصحاب طبل و علم

کے دروں پر کتاب اور علم

کا تقاضا لئے، ہاتھ پھیلائے

پہنچے، مگر لوٹ کر گھر نہ آئے

اُن اسیروں کے نام

جن کے سینوں میں فردا کے شب تاب گوہر

جیل خانوں کے شوریدہ راتوں کی صرصر میں

جل جل کے انجم نما ہو گئے ہیں"(11)

"نظم یہاں سے شہر کو دیکھو" ایک حبس اور گھٹن کے ماحول میں بے سمت اور عفریت لئے زندگی کا حوالہ ہے۔ جہاں جنرل ایوب کے صدارتی نشان پھول کو شاعر لہو سے تعبیر کرتے ہیں۔ نظم "بلیک آوٹ" اور "سپاہی کا مرثیہ" 1965ء کے پاک بھارت جنگ کے اس بھیانک چہرے کو سامنے لاتا ہے جہاں سوائے تباہی اور بانجھ پن کے زندگی کا کوئی حوالہ نہیں رہتا۔ فیض اس جنگ کو حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشی خیال کرتے ہوئے ان جوانوں کی جوانی کا رونا روتے ہیں جو اس جنگ کے باعث لقمہ اجل بنے۔

فیض کی مزاحمتی شاعری ملکی حدود کو پھلانگ کر پوری انسانیت کے لئے وقف تھی اور یہی وجہ ہے کہ عرب اسرائیل جنگ کے تناظر میں آپ کی نظم "سر وادی سینا" ایک شاہکار فن پارہ کی حیثیت لئے ہوئی ہے۔

اس جنگ کو انہوں نے پوری دنیا کے محکوموں کی بیداری کے تناظر میں دیکھا اور رجزیہ انداز میں دنیا بھر کے جبر کو للکار کر مزاحمت کو دینا کی تقلیب کے لئے ضروری گردانا۔ فیض ہمیشہ سے صدیوں کے اقرار اطاعت بدلنے کے لئے "انکار" کی جرات کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔

نظم "دعا" میں پیروئ کذب وریا کی جگہ "ہمت کفر" اور جرات تحقیق کے لئے "جان تپاں" اور اظہار کو از حد ضروری سمجھتے ہیں۔ اس نظم میں موجود مزاحمتی رویے کو سمجھنے کے لئے سبط حسن کا یہ تجزیہ ضروری بن جاتا ہے:

"فیض صاحب ان دنوں بڑے مبارزت کے موڈ میں تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں مشہور نظم "دعا" کے تیور بھی "سر وادئ سینا" سے ملتے جلتے ہیں۔ یوں تو پوری نظم پر ایک طنز آمیز برہمی طاری ہے لیکن آخری بند میں تو شاعر تلملا اُٹھا ہے:

جن کا دین پیروئ کذب وریا ہے ان کو

ہمت کفر ملے جرات تحقیق ملے

جن کے سر منتظر تیغ جفا ہیں اُن کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

دست قاتل کو جھٹک دینے کی توفیق ملے[12]

نظم "خورشید محشر کی لو" دست قاتل کے ان عزائم کا پردہ چاک کرتا ہے جو عوام الناس کے لئے لہو اور موت کے پیغام کو عام کرنا چاہتا ہے۔ نظم کا اختتام اس رجائی لے پر ہے جس کے ذریعے قربانی پیش کر کے آج کے غم کو ڈھلنے کے اسباب بہم ہوں گے۔

نظم "جرس گل کی صدا" انقلاب کی ہر آواز پر اہل جنوں کی لبیک کہنے کو شاعر انسانی زندگی میں نشاطیہ رجحان اور آدرش کی تکمیل کا واحد حل خیال کرتے ہیں:

جب بھی ابروئے درِ یار نے ارشاد کیا
جس بیاباں میں بھی ہم ہوں گے، چلے آئیں گے
در کھلا دیکھا تو شاید تمہیں پھر دیکھ سکیں
بند ہوگا تو صدا دے کے چلے جائیں گے[13]

"سقوط ڈھاکہ" کے تناظر میں فیض جس غم سے دوچار رہے اس کا حال ڈاکٹر ایوب مرزا کے اس بیان سے واضح ہے:

"فیض صاحب کہنے لگے مشرقی پاکستان کے وہ ولدوز حالات اور واقعات ایسے ہیں جس نے میرے دل کو فگار کر دیا ہے۔ مجھے زندگی میں اس سے بڑھ کر کسی واقعہ سے صدمہ یاد کہ نہیں ہوا۔ میرے یار غار وہاں بے شمار تھے۔ میں نے تو کئی راتیں بے خوابی میں گزاری ہیں۔ میرا تو انسان کی اعلیٰ قدروں پر ایمان ڈانواں ڈول ہونے لگا تھا۔ اسی سلسلے میں ایک غزل اور کہی ہے۔ وہ شاید تمہیں سنائی:

کہیں تو کاروانِ درد کی منزل ٹھہر جائے
کنارے آلگے عمرِ رواں یا دل ٹھہر جائے
اماں کیسی یہ موجِ خوں ابھی سر سے نہیں گزری
گزر جائے تو شاید بازوئے قاتل ٹھہر جائے[14]

فیض مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے والیان قسمت کے ان رویوں پر بہت دل گرفتہ رہے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کی دلجوئی کی بجائے اور درد کے فاصلے مٹانے کی جگہ مغربی پاکستان میں یہ سوچ کہ مشرقی بازو کٹ جانے کی صورت میں سود و زیاں کی نوعیت کس طرح کی ہوگی جیسی سوچ نے اور بھی فاصلے بڑھا کر بے آسرا یتیم لہو کو یکسر نظرانداز کیا۔ بنگالی اور مغربی بازو کے درمیان مصالحت کی کوششوں کو فیض نے ناکافی جانا:

شرحِ بے دردیٔ حالات نہ ہونے پائی
اب کے بھی دل کی مدارات نہ ہونے پائی
پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا
پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی
فیض سر پر جو ہر اک روز قیامت گزری
ایک بھی روز مکافات نہ ہونے پائی[15]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

سانحہ بنگال کے تناظر میں فیض کی نو دس نظمیں اور غزلیں اس مزاحمت پر مبنی ہے جہاں جنگ کو عفریت کی صورت دکھا کر اس فیض اپنی شاعری میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

خورشید کا کندن لہو
مہتاب کی چاندی لہو
صبحوں کا ہنستا بھی لہو
راتوں کا رونا بھی لہو
ہر شجر مینار خوں، ہر پھول خونیں دیدہ ہے
ہر نظر اک تار خوں، ہر عکس خوں مالیدہ ہے (16)

مجموعہ "شام شہر یاراں" اس دور کی تخلیق ہے جب شاعر کا حساس دل سانحہ مشرقی پاکستان کی فضا میں اپنے رجائی لہجے کے باعث بچھڑے ہوؤں کو نغمہ زندگی میں شریک ٹھہرانے کا پیغام دیتے ہیں۔

گیت

چلو پھر سے مسکرائیں
چلو پھر سے دل جلائیں
جو گزر گئی ہے راتیں
انہیں پھر جگا کے لائیں
جو بسر گئی ہے باتیں
انہیں یاد میں بلائیں
چلو پھر سے دل لگائیں
چلو پھر سے مسکرائیں
کوئی ان کی دھن بنائیں
کوئی ان کے گیت گائیں
چلو پھر سے مسکرائیں
چلو پھر سے دل لگائیں (17)

نظم "مرے درد کو جو زباں ملے" میں فیض اس حقیقت کو شاعرانہ الہام کے تناظر میں دیکھتا ہے جہاں منزل یا سمت کا تعین کئے بغیر اس خواب کے حصول کے لئے ممکن جدوجہد کا راستہ اپنائے بغیر کبھی بھی کی آزادی یا عالمگیر انسانی مساوات کا خواب شرمندہ بغیر نہیں ہو سکتا۔

مرے دور کو جو زباں ملے
مری ذات کا جو نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے
مری خامشی کو بیان ملے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

مجھے کائنات کی سروری
مجھے دولت دو جہاں ملے (18)

نظم "پاؤں سے لہو دھو ڈالوں" کے ذریعے اس زخت سفر یعنی خون کی قربانی کا تذکرہ کر گئے ہیں جو لیلائے سخن اور لیلائے وطن کے سنوارنے کی خاطر ہمیشہ سے انقلابیوں کا مان سمان رہا ہے۔

پاؤں سے لہو کو دھو ڈالو
ہم کیا کرتے کس رہ چلتے
ہر راہ میں کانٹے بکھرے تھے
وہ سہتے تھے، کیوں قحط وفا
کا ناحق چرچا کرتے ہو
پاؤں سے لہو کو دھو ڈالو
یہ راہیں جب لٹ جائیں
سو رستے ان سے پھوٹیں گے (19)

"سجاد ظہیر کے نام" نظم میں ترقی پسند انقلابی، سجاد ظہیر کے انقلابی سفر کی سیر سرا کر اس کی عظمت کا ہم ہم نوا بناتے ہیں۔

فیض کی نظمیں "پاؤں سے لہو کو دھو ڈالو"، "ہم تو مجبور تھے اس دل سے" اور "مرثیہ امام" اس دور کے ان حوالوں کو فن تخلیق کا لمس دیتے ہیں جب زندگی ک قوتیں موت کی قوتوں کے ساتھ دست و گریباں ہوتے ہوئے ہمیں توسیع ذات اور تحصیل ذات کے سفر میں شامل کرتے ہوئے فعالیت اور انقلاب کی طرف بلاتی ہیں۔ فیض کا مزاحمتی رنگ نظم "ہم تو مجبور تھے اس دل سے" ہمیں شوق کی صلابت کی وجدانی دنیاؤں سے ملا کر سحر اور زیست کی خاطر ہر قربانی دینے پر آمادہ بنا دیتا ہے۔

ہم تو مجبور تھے اس دل سے
ہم تو مجبور تھے اس دل سے جس میں ہر دم
گردش خوں سے وہ کہرام بپا رہتا ہے
جیسے رندانِ بلانوش جو مل بیٹھے بہم
میکدے میں سفر جام بپا رہتا ہے
کلفت زیست تو منظور تھی ہر دور مگر
راحت مگر کسی طور گوارا ہی نہیں (20)

فیض کی غزل طبقاتی شعور کو اُجاگر کر کے منفی قوتوں کے ان چالوں سے پردہ اُٹھاتا ہے جب ایک بیانیے کے ذریعے انقلاب میں شامل لوگوں کو سراہنے کی جگہ اپنے ہی لوگوں کی تضحیک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شاعر عوام کی اس سادہ لوحی کو ان کے حقوق کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ کے طور پر اجاگر کر جاتے ہیں۔

پہنچ کر در پہ تیرے کتنے معتبر ٹھہرے
اگر چہ رہ میں ہوئیں جگ ہنسائیاں کیا کیا
ہم ایسے سادہ دلوں کی نیاز مندی سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.2 2022

بتوں نے کی ہیں جہاں میں خدائیاں کیا کیا[21]

نظم "ڈھاکہ سے واپسی پر" اس بے ثمر مذاکرات کا شعری اظہار جب شیخ مجیب کی عجلت پر مبنی رویے نے دل شکنی اور مایوسی کی صورت فیض کی دلی کیفیات کو اس غزل کا حصہ بنادیا۔

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد[22]

وہ رویے جو استحصالی نظام پر خاموشی اپنا کر اگلے جہاں پر سب کچھ چھوڑ جاتے ہیں کو فیض کی نظم "تم اپنی کر گزرو" اجاگر کرتے ہوئے اس رویے کو شرف انسانیت کے منافی ٹھہراتے ہیں۔ غزل میں بھی اس طرح خاموشی سے ظلم سہنے کی بجائے فیض مزاحمت کے حوالوں کو اپنے علامتی اظہار کے ذریعے طشت از بام بنا کر پیش کر۔

اب گردن مخلوق جو ہر حال میں خم ہے
اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے
کیوں مشکل دل فیض چھپاؤ تہہ داماں!
بجھ جائے گی یوں بھی کہ ہوا تیز بہت ہے[23]

فیض کی نظم "آج اک حرف کو پھر ڈھونڈتا پھرتا ہے خیال" نظم "بول" کی طرح اس حرف وصورت کی موج ہے جو اپنے اندر ہر طرح کی ذرخیزی کے باعث اذہان میں تبدیلی کے موثر حوالے رکھتے ہیں۔

آج ہر موج ہوا سے ہے سوالی خلقت
لا کوئی نغمہ، کوئی صوت، تری عمر دراز
نوحہ غم ہی سہی، شور قیامت ہی سہی
صور محشر ہی سہی، بانگ قیامت ہی سہی[24]

پنجابی نظم "ربّا سچیا" شکوہ کا انداز لئے ہوئے طبقاتی نظام میں موجود سرمایہ دار اور پاؤں تلے روندے گئے خلق خدا کی بے بسی کا نوحہ ہے۔ خدا کو مخاطب کر کے شاعر نظام کی تار و پود کی تمام قباحتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے انسانوں کو حالات سدھارنے کے لئے کمربستہ بنا کر وسائل کو تمام انسانوں میں عام کر کے بہترین انسانی معاشرے کا متمنی رہیں۔

فیض کے مجموعہ ہائے کلام "دست تہہ سنگ"، "سر وادیٔ سینا" اور "شام شہر یاراں" کو سیاسی وسماجی پس منظر میں مطالعے کرنے پر آپ کی مزاحمتی اور انقلابی شاعری کی تہہ تک رسائی ممکن بن جاتی ہے۔

تسلط اور آمریت کے جس ماحول میں جنرل ایوب نے سرمایہ دارانہ نظام کا اتحادی بن کر آغاز کیا تھا اس کے نتائج تھے کہ قوم ذوالفقار علی بھٹو جیسے عوامی لیڈر سے محروم بنادی گئی۔ اس وقت جب امریکہ میں بین الاقوامی ایجنڈ کی تکمیل کے لئے امریکہ روس جنگ میں ضیاء الحق کی صورت امریکی سرمایہ دارانہ نظام کی تکمیل ضروری تھی۔ جب امریکہ کی بین الاقوامی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے جمہوریت کی بجائے ضیاء الحق کی آمریت کو استحکام بخشا گیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

لیلائے وطن کی خاطر ان کا کلام اُمید، سحر اور انقلابی روح کا استعارہ ٹھہرا۔ انہوں نے فن کے اظہار کے تمام روایتی سرمائے کو جمالیاتی اسلوب میں پیش کر کے اپنے کلام کو اس دور کا ترجمان بنانے کے ساتھ ساتھ آفاقی صداقتوں سے بھی مزین بنا گئے۔

فیض حکمرانوں کو طنز و تعریض کے لبادے میں مخاطب کر کے آزادیٔ رائے، خیال اور زندگی کا حق چھیننے والے ہر حوالے سے پردہ اٹھا کر معاشرے کو وہ شعور دے جاتا ہے جس کے ذریعے شرف انسانیت کے معراج کو پانا آسان بن جاتا ہے۔

جنرل ایوب خان کی آمریت سے لیکر سانحہ سقوط ڈھاکہ تک کے واقعات کے پیچھے تمام محرکات کو دیکھنے کے لئے فیض کے ان مجموعوں پڑھے بغیر معروضی حقائق تک رسائی تشنہ تکمیل رہتی ہے۔

آپ کی شاعری میں کارل مارکس کے معاشی نظریے کے روح کے ساتھ ساتھ اس دور کے بڑے انقلابی فلسطین شاعر محمود دوریش، ترک شاعر ناظم حکمت، چلی کے شاعر پابلو نرودا اور ایرانی شاعر ابوالقاسم لاہوتی کے ساتھ اُن کی ہم آہنگی ان کے کلام کو ملکی حدود کی جگہ بین الاقوامی شہرت سے ہم کنار کرتی ہے۔

حوالہ جات

1. سبط حسن، " سخن در سخن"، اشاعت سوم 2016، ص 67،68
2. آئن ٹالبوٹ، (مترجم: محمد عاطف حلیم) "پاکستان ایک نئی تاریخ" تخلیقات، لاہور 2014، ص 165،166
3. صدیق مالک، "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا"، الفیصل لاہور 2003ء، ص 41
4. قیوم نظامی، " جرنیل اور سیاستدان تاریخ کی عدالت میں"، جہانگیر بکس کراچی 2006ء، ص 111،112
5. سار، "عوامی کی سیاسی جوجہد کے پچاس سال" 1992 فرنٹیئر پوسٹ پبلی کیشنز لاہور، ص 259
6. صلاح الدین حیدر، ڈاکٹر، "جنہیں جرم عشق پہ ناز تھا" فیض احمد فیض: شخصیت و فن، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2011، ص 123،124
7. فیض احمد فیض، "دست تہہ سنگ" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص 31
8. فیض احمد فیض، "دست تہہ سنگ" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص 52،53
9. فیض احمد فیض "نسخہ ہائے وفا" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، ص 338
10. فیض احمد فیض، "دست تہہ سنگ" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص، ص 80
11. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص 389،390،392
12. سبط حسن، " سخن در سخن" اشاعت سوم 2016، ص 96
13. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" (سر وادیٔ سینا) مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص 443
14. ڈاکٹر ایوب مرزا، "ہم کہ ٹھہرے اجنبی"، ص 184،185
15. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" (سر وادیٔ سینا) مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، س۔ن، ص 451،452
16. سبط حسن، " سخن در سخن" اشاعت سوم 2016، ص
17. فیض احمد فیض، "شام شہر یاراں" سن شاعت 2012ء مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص 53،54
18. فیض احمد فیض، "شام شہر یاراں" سن شاعت 2012ء مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص 43
19. فیض احمد فیض، "شام شہر یاراں" سن شاعت 2012ء مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص 45
20. فیض احمد فیض، "شام شہر یاراں" سن شاعت 2012ء مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص 55،56
21. فیض احمد فیض، "شام شہر یاراں" سن شاعت 2012ء مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص 57
22. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" (شام شہر یاراں) مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور ، ص 567
23. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور ، ص 528
24. فیض احمد فیض، "نسخہ ہائے وفا" (شام شہر یاراں) مکتبہ کاروان، کچہری روڈ لاہور، ص 546